ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور





دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

اس شمارے میں

دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ایسی چنگاری بھی یارب! اپنے خاکستر میں تھی؟

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

دوران مطالعہ تاریخ اسلام کا ایک ایسا واقعہ نظر سے گذرا جس نے کافی متأثر کیا، جی چاہتا ہے کہ اسی واقعے سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا جائے۔

اسلامی غزوات میں غزوۂ بنی قریظہ ایک مشہور غزوہ ہے، ایک صحابی حضرت خلادؓ اس غزوہ میں شہید ہوجاتے ہیں، ان کی والدۂ محترمہ حضرت ام خلادؓ کو بیٹے کی شہادت کی خبر پہونچتی ہے، یہ اپنے گھر سے ان کی میت دیکھنے کے لیے روانہ ہوئیں، ظاہر ہے کہ بیٹے کی جدائی کا صدمہ دل میں ہوگا لیکن ایسے موقع پر بھی یہ اپنا نقاب کرنا، جو پردے کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے، نہ بھولیں، جب یہ اُس جگہ پہنچیں جہاں ان کے صاحبزادے کی میت رکھی ہوئی تھی تو کئی لوگوں کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا کہ ''اپنے بیٹے کی میت پر آئی ہیں اور اس حال میں بھی نقاب کر رکھا ہے'' یعنی ایسے غم کے وقت پردے کے اہتمام کی بھلا کیا ضرورت ہے۔

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا نے اس بات کے جواب میں جو جملہ ارشاد فرمایا وہ ایک طرف تو اُن کے عزم وحوصلہ اور جرأت و استقامت کا ثبوت ہے تو دوسری طرف ایک مسلمان خاتون کے لیے اپنے دل پر نقش کر لینے کے قابل ہے، انہوں نے لوگوں کے جواب میں یوں کہا:

''اِن أُرْزَأَ إبنی فلن أُرْزَأَ حیائي''

(میرا بیٹا رخصت ہوا ہے، میری حیاء رخصت نہیں ہوئی ہے)

جب ان کی یہ بات رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ان

کے بیٹے کے لیے دو شہیدوں کا اجر ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ کس وجہ سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیونکہ خلادؓ کو اہل کتاب (یہودیوں) نے قتل کیا ہے۔(سنن ابی داؤد)

حضرت ام خلاد رضی اللہ عنہا کے اس عظیم اور یادگار کردار میں صبر، رضا بالقضاء کے ساتھ ساتھ ''پردہ'' کا اہتمام صاف طور پر نظر آتا ہے اور بے ساختہ علامہ اقبال کا یہ مصرع حیرت واستعجاب کے ساتھ سامنے آتا ہے کہ ؏

ایسی چنگاری بھی یارب! اپنے خاکستر میں تھی؟

پردہ ایک اسلامی حکم ہے، جس پر اب کئی غیر مسلم ممالک میں تو پابندی ہے ہی لیکن مسلم ممالک میں بھی حالت بدتر سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔

پردہ ایک خالص شرعی حکم ہے، پھر اسلامی حکم ہونے کے علاوہ پردہ کا تعلق ہر مسلمان خاتون کے انسانی حقوق سے بھی ہے۔

حقوق نسواں، آزادیٔ نسواں اور اسی سے ملتے جلتے عناوین اور مضامین کی بازگشت ادھر مسلسل پوری دنیا میں سنائی دے رہی ہے اور اس کے لئے بڑے بڑے ادارے، تنظیمیں اور جماعتیں تشکیل دی جارہی ہیں، بڑے منصوبہ بند طریقہ سے یہ بات عام کی جارہی ہے کہ آج کا معاشرہ اور خاص طور سے اسلامی معاشرہ عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق نہیں دے رہا ہے، ان کے دائرۂ کار کو تنگ کیا جارہا ہے، یہ ایک طرح سے خواتین کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کے مرادف ہے اسی لئے اسلام زدہ معاشرہ ترقی نہیں کر پارہا ہے جبکہ مغرب اور وہاں کے آزاد خیال لوگوں نے اسے محسوس کیا، عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق دیئے، آزادیٔ نسواں کے اصول اپنائے، سماج اور معاشرہ میں انھیں مردوں کی برابری کا حصہ دیا اور آج ان کا معاشرہ ترقی کررہا ہے اور عورتیں احساس کمتری سے نکل کر احساس برتری سے

مالا مال ہورہی ہیں اسی وجہ سے انھیں معاشرتی استحکام اور سماجی اعتبار سے اوج و بلندی حاصل ہورہی ہے۔

اس انداز کے مضامین اور مقالے بڑی منصوبہ بندی سے عام کئے جارہے ہیں اور آئے دن نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔

انسانی دنیا کی سب سے بڑی بربادی جرائم کے گراف کا بڑھنا ہے،آج پورا عالم جرائم کی روک تھام اور اس کے لئے منصوبہ بندی و قانون سازی کے لئے کوشاں ہی نہیں بلکہ اپنی تمام ترتوانائی صرف کررہا ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انسانی معاشرے کو جرائم سے اگر کوئی چیز بچاسکتی ہے تو وہ صرف اور صرف پردے کے حکم پر دل وجان سے عمل پیرا ہونا ہے،آج بھی جن ممالک میں پردے کا رواج کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے، وہاں جرائم کا گراف ترقی یافتہ ممالک کی نسبت بہت نیچے ہے۔

پردہ اعلیٰ اقدار وروایات پر مبنی تہذیب کی نشانی ہے، پردہ عورت کے وقار اور اعتبار میں اضافے کا ضامن ہے، پردہ عورت کی آبرو کا نگہبان ہے، پردہ عورت کی عظمت ، ہیبت اور سطوت میں اضافہ کرتا ہے۔

آج دنیا میں ایک خاص فکر اور نظریہ رکھنے والی ایک جماعت جو پوری دنیا میں اپنی تہذیب اور اپنی فکر کی بالادستی چاہتی ہے دراصل یہ حقوق نسواں اور آزادی نسواں وغیرہ کا نعرہ اسی مخصوص فکر رکھنے والی ذہنیت کی دین ہے، اپنے نظریات اور افکار کو سنہرے عناوین سے مرصع کرکے اس انداز سے دنیا کے سامنے کے پیش کیا جاتا ہے کہ اس دام ہم رنگ زمین کا شکار افراد تو افراد حکومتیں تک ہوجاتی ہیں ، ہندوستانی حکومت میں ابھی حال ہی میں طلاق پر گرما گرم بحث اور اس کے لئے نئے قانون سازی کی جدو جہد اسی فکر اور اسی نظریہ سے متأثر ہونے کی وجہ ہے ، ایک طرح سے اس بل کی منظوری اسلامی اصولوں کے خلاف ہونے

کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب، یہاں کی ثقافت اور ہندوستانی جمہوریت سے بھی کھلا مذاق ہے۔

آزادیٔ نسواں اور حقوق نسواں کا زوردار راگ الاپ کر عورتوں کو بازاروں، کلبوں اور ہر طرح کی مجلسوں میں لاکر، انہیں بے حیائی، بدکرداری اور بے وفائی کے راستے پر ڈال دیا جاتا ہے۔

مسلمان ایک زمانہ میں خلیج بنگال سے بحر اٹلانٹک تک حکمراں رہے ہیں، سائنس اور فلسفہ میں وہ دنیا کے استاد تھے، تہذیب وتمدن میں کوئی دوسری قوم ان کے برابر نہ تھی، اگر تھوڑی دیر کے لئے اسی کو اصل ترقی مان لیا جائے تو یہ ترقی اس معاشرے نے کی تھی جس میں پردے کا رواج تھا، اسلامی تاریخ بڑے بڑے اولیاء مدبرین، علماء حکماء، مصنفین اور فاتحین کے ناموں سے بھری پڑی ہے یہ عظیم الشان لوگ جاہل ماؤں کی گود میں پل کر تو نہیں نکلے تھے، خود عورتوں میں بھی بڑی بڑی عالم و فاضل خواتین کے نام ہمیں اسلامی تاریخ میں ملتے ہیں، وہ علوم وفنون اور ادب میں مہارت رکھتی تھیں۔

پردے نے اس ترقی سے مسلمانوں کو نہیں روکا تھا، آج بھی اسی طرز کی ''ترقی'' ہم کرنا چاہیں تو پردہ ہمیں اس سے نہیں روکتا، البتہ اگر کسی کے نزدیک ''ترقی'' بس وہی ہو جو اہل مغرب نے کی ہے تو بلاشبہ اس میں پردہ بری طرح حائل ہے' مغرب نے وہ ترقی اخلاقی اور خاندانی نظام کو خطرہ میں ڈال کر کی ہے، عورت کو اس کے دائرہ عمل سے نکال کر مرد کے دائرہ کار میں لایا گیا ہے، اور اس تہذیب کے نتیجے میں بحیثیت مجموعی وہاں لوگوں نے گھر اور خاندان کا سکون، رشتوں کا تقدس، نسب کا احترام اور بنیادی معاشرتی ڈھانچہ کھو دیا ہے۔

تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پردے جیسے عظیم حکمِ الٰہی کے لئے کم از کم تین اقدامات ضرور کریں:

۱–اپنے ہاں شرعی پردے کو رواج دیا جائے اور سب سے پہلے خود اس پر اہتمام سے عمل کیا جائے۔

۲–تعلیم، بیماری اور دیگر تمام ضروری کاموں میں بھی جہاں تک ہو سکے، پردہ کا حکم نہ ٹوٹنے پائے۔

۳– پردے کے حکم اور اس کے فائدوں کو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں کھل کر بیان کیا جائے اور اس حکم کی نافرمانی کی وجہ سے جو آفتیں آرہی ہیں، ان کو بھی سمجھایا جائے۔

اگر شیطان کے پجاری، تہذیب جدید کے دلدادہ مسلمانوں کے ماحول سے پردہ ختم کرنے کے لئے یکسو ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ رحمان جل شانہ کے بندے اس کو رواج دینے اور عام کرنے کیلئے محنت نہ کریں۔

یاد رکھیں! یہ ویلنٹائن ڈے، اعلیٰ تعلیم، ترقی اور دیگر خوشنما نعرے صرف بہانے ہیں، اصل مقصد ان سب باتوں کا مسلمانوں کو پردے جیسی نعمت سے محروم کرنا ہے، اس لیے ہمیں تعلیم، تفریح اور ترقی کے بھی صرف ایسے راستے ہی منتخب کرنے ہیں جن پر چلتے ہوئے ہمیں ''پردے'' (یا کسی اور دینی حکم) پر سمجھوتہ نہ کرنا پڑے۔

یہ بات بھی درست ہے کہ دشمنان اسلام کی مذموم سازشوں، کفار و مشرکین کی مخالفتوں کی جو یلغار اس وقت ہے اس میں انابت الی اللہ اور اللہ رب العزت اور اس کے احکامات کی پاسداری کا جتنا لحاظ ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، اللہ کی طرف توجہ اور اس سے رجوع ہماری تمام تر مشکلات کا خاتمہ کرسکتی ہے، اور اس کی عملی شہادتیں بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

درسِ قرآن

دوسری قسط

بدعمل عالم کی سزا

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ، وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الاعراف ۱۷۶)

اورسنادے ان کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں، پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا، پھر اس کے پیچھے لگا شیطان ——— تو وہ ہوا گمراہوں میں سے، اوراگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور چلا اپنی خواہش پر اور اپنی من مانی کرنے لگا ——— تو اس کا حال ایسا جیسا کتّا، اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی ہانپے اور نہ لادے تب بھی ہانپے، یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو بیان کر دیجئے یہ احوال شاید وہ دھیان کریں۔

شان نزول: حضرت عبداللہ بن عباس، مجاہد، عطیہ واکثر مفسرینؒ کی رائے کے مطابق مذکورہ بالا آیات شریفہ کا تعلق بلعم بن باعوراسے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک بڑا عالم، اسم اعظم جاننے والا، مستجاب الدعوات، صاحب کرامات وصاحب تصرف درویش تھا۔

مگر آخر میں سفلی خواہشات، دنیاوی شہوات ولذات پر مر مٹا اور اپنے علم کے مقتضیٰ پر اس نے عمل نہ کیا، ——— تو اس کو دائمی ذلت نصیب ہوئی، ابدی طور پر مردود، راندۂ درگاہ ہوا، ساری کرامتیں چھن گئیں، دنیا میں خسیس وذلیل، آخرت میں عذابِ عظیم کا مستحق ٹھہرا۔

چولی دامن کا ساتھ:

علم وعمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ علم کا اصل فائدہ عمل ہی تو ہے، خالی معلومات بقول شیخ سعدیؒ: علم نہیں جہل ہی ہے ع

علم چنداں کہ بیشتر خوانی		چوں عمل در تو نیست نا دانی

علم محض اور اشیاء کی حقیقت ومعلومات تو شیطان کو بھی ہے بلکہ انسانوں سے کہیں زیادہ، مگر علم بدونِ عمل اس کے کچھ کام نہ آسکا، اور اس کو جہنم میں جانا ہی ہوگا، یہی حال اُن علماء کا بھی ہے جن کی معلومات تو وسیع سے وسیع تر ہیں مگر عمل نہیں وہ بھی جہنم کے کندے بنیں گے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ چند جنتی لوگ بعض دوزخیوں کے پاس چل کر جائیں گے اور ان سے پوچھیں گے : تم کس وجہ سے دوزخ میں چلے گئے، بخدا ہم تو تم ہی سے (بھلائی اور نیکی کے کام) سیکھ کر جنت میں داخل ہوئے ہیں؟ اہلِ دوزخ جواب دیں گے: ہم جو کچھ کہتے تھے (اس پر خود) عمل نہیں کرتے تھے۔

عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَنْطَلِقُونَ إِلَى أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيَقُولُونَ: بِمَ دَخَلْتُمُ النَّارَ فَوَاللهِ مَا دَخَلْنَا الْجَنَّةَ إِلَّا بِمَا تَعَلَّمْنَا مِنْكُمْ؟ فَيَقُولُونَ، إِنَّا كُنَّا نَقُولُ وَلَا نَفْعَلُ (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، الرقم/ ۴۰۵)

شدت عذاب سے آنتیں باہر: حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے منقول ایک حدیث شریف میں بدعمل آدمی کی سزا آنتوں کا باہر نکل آنا بیان کیا گیا ہے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: روزِ قیامت ایک شخص کو لا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، (شدتِ عذاب کی وجہ سے) اس کے پیٹ کی آنتیں اس کے پچھلے راستے سے نکل کر باہر گر پڑیں گی، پھر وہ اپنی آنتوں کے گرد اس طرح گردش کرے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد چکر لگاتا ہے (اور اپنی آنتوں پر خود اس طرح چلے گا اور پاؤں سے آنتوں کو

روندے گا جس طرح گدھا یا بیل اپنی چکی، رہٹ وغیرہ میں چلتا اور ارد گرد گھومتا اور اپنے پاؤں کے نیچے کی چیز کو روندتا ہے) اہلِ دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: او فلاں! تمہاری یہ حالت کس وجہ سے ہے؟ کیا تم ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے؟ (یہ تو جنت میں لیجانے والے اعمال ہیں) وہ شخص جواب دے گا: ہاں میں تمہیں تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نیکی نہیں کرتا تھا اور میں تمہیں تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود برے کام کرتا تھا۔

عن اسامۃ بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ القِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ، فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُهُ فِي النَّارِ، فَيَدُورُ كَمَا يَدُورُ الحِمَارُ بِرَحَاهُ، فَيَجْتَمِعُ أَهْلُ النَّارِ عَلَيْهِ فَيَقُولُونَ: أَيْ فُلاَنُ مَا شَأْنُكَ؟ أَلَيْسَ كُنْتَ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ المُنْكَرِ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلاَ آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ المُنْكَرِ وَآتِيهِ"

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، الرقم ۳۲۶۷)

ہونٹوں کا کاٹنا: سزا کی سنگینی، سختی و نرمی کا تعلق سزا دینے والے سے بھی ہوتا ہے اور جس آلہ و اوزار سے سزا دی جا رہی ہے اس آلہ و اوزار سے بھی، چنانچہ سزا دینے کا ہتھیار، اوزار اگر نرم ہوگا تو سزا بھی نرم و ہلکی ہوگی اگر آلۂ عذاب سخت ہوگا تو عذاب بھی المناک وسخت ہوگا، لوہے و اسٹیل کی قینچی سے اگر کسی کے حصۂ بدن کو کترا جائے تو کتنی اذیت ہوتی ہے، اور اگر قینچی آگ کی ہو اور اس سے بدن کے نازک حصوں مثلاً ہونٹ وغیرہ کو کترا جائے تو اس تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بدعمل عالم کو بالیقین یہ سزا بھی دی جائے گی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، جب ان کے ہونٹوں کو کاٹ دیا جاتا تو وہ پھر سے ٹھیک

ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے پوچھا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ تمہاری امت کے وہ دنیادار خطیب وواعظین حضرات ہیں جو لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے حالانکہ وہ کتاب بھی پڑھتے تھے (جس میں علم وعمل کے تضاد پر وعید موجود ہے، مگر پھر بھی وہ سمجھ نہ پائے)۔

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَتَيْتُ عَلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي، فَرَأَيْتُ فِيهَا رِجَالًا تُقْطَعُ أَلْسِنَتُهُمْ وِشِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيضَ مِنْ نَارٍ، فَقُلْتُ: يَا جِبْرِيلُ، مَا هَؤُلَاءِ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ خُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا. كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ. أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ؟

اخرجہ أحمد بن حنبل فی المسند، ۳/ ۱۲۰، الرقم/ ۱۲۲۳۲

عمل سے غفلت: قرآن کریم صرف مطالعہ، اسٹڈی کی کتاب نہیں بلکہ قرآن زندگی کا لائحہ عمل اور دستور العمل بھی ہے، اگر کوئی اس کی تلاوت سے غافل، عمل سے محروم ہو تو یہ اس کے لئے سراسر ضرر زیاں اور نقصان وخسران ہی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندب سے منقول طویل حدیث کا ایک جزیہ بھی ہے: کہ شب معراج میں میرا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جو لیٹا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک دوسرا آدمی ہاتھ میں پتھر لئے کھڑا تھا، کھڑا ہوا آدمی لیٹے ہوئے آدمی کے سر پر زور سے وہ پتھر دے مارتا جس سے سر پھوٹ جاتا، اور وہ پتھر لڑھک کر دور جا گرتا، کھڑا ہوا آدمی جب تک پتھر اٹھا کر لاتا سر ٹھیک ہو جاتا اور وہ دوبارہ پھر مارتا، میں نے ساتھ والے فرشتے سے پوچھا کہ (جس کو سزا دی جا رہی ہے) یہ کون شخص ہے؟ بتایا گیا: کہ یہ وہ آدمی ہے جو قرآن پڑھنا جانتا تھا مگر رات میں اس کی تلاوت اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا (مراد یہ ہے کہ شب وروز میں تلاوت وعمل سے غافل رہتا تھا)

حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلَى قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِهِ بِفِهْرٍ - أَوْ

صَخْرَةٍ - فَيَشْدَخُ بِهِ رَأْسَهُ، فَإِذَا ضَرَبَهُ تَدَهْدَهَ الحَجَرُ، فَانْطَلَقَ إِلَيْهِ لِيَأْخُذَهُ، فَلاَيَرْجِعُ إِلَى هَذَا حَتَّى يَلْتَئِمَ رَأْسُهُ وَعَادَ رَأْسُهُ كَمَاهُوَ، فَعَادَإِلَيْهِ، فَضَرَبَهُ، قُلْتُ:مَنْ هَذَا؟ وَالَّذِي رَأَيْتَهُ يُشْدَخُ رَأْسُهُ، فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللَّهُ القُرْآنَ، فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيهِ بِالنَّهَارِ، يُفْعَلُ بِهِ إِلَى يَوْمِ القِيَامَةِ،

(صحیح بخاری رقم ۱۳۹۶ کتاب الجنائز)

انتقال پر ملال

۱۳/ فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل علی الصباح خانقاہ رائے پور کی بزرگ شخصیت، ممتاز صاحب نسبت بزرگ، حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائے پوری تقریباً نو سال تک صاحب فراش رہ کر ۸۶ سال کی عمر میں اپنے رب حقیقی سے جا ملے مفتی صاحب مرحوم چونکہ مظاہر علوم کے فضلاء میں سے تھے اور مظاہر علوم میں ان کی تدریسی خدمات بھی رہی ہیں اس لئے حضرت مفتی صاحب کے سانحۂ وفات کو خود مظاہر علوم میں ایک بڑے حادثہ کے طور پر محسوس کیا گیا، ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کے اہتمام کے ساتھ باقاعدہ من جانب مدرسہ تجہیز و تکفین اور تدفین میں شرکت کے لئے اساتذۂ مظاہر علوم کے ایک وفد نے طلبہ کی کثیر تعداد کے ساتھ شرکت کی۔

علامہ محمد یامین صاحبؒ سابق استاذ مظاہر علوم کی صاحبزادی اور مفتی بشیر احمد سہارنپوری معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور کی والدہ محترمہ، اسی طرح مظاہر علوم کے استاذ مفتی نیر اقبال سہرساوی کے بڑے بھائی محمد منظر صاحب کے انتقال کی خبر بھی ادارہ کو موصول ہوئی ہے

تمام قارئین کرام سے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست ہے

انوارِ حدیث

گذشتہ سے پیوستہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند اہم نصیحتیں

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

(۲) احفَظِ اللہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ: تم اللہ کی حفاظت کرو تو اس کو اپنے سامنے پاؤ گے، یعنی جو اللہ کے حدود کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی حقوق ادا کرتا ہے تو اسے ہمہ وقت اللہ کی معیت حاصل رہتی ہے، اللہ اس کی نصرت فرماتا ہے، اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے راہ راست پر قائم رکھتا ہے اور توفیق سے نوازتا ہے، قرآن کریم میں اس معیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ'' (النحل ۱۲۸) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیز گار ہوتے ہیں اور نیک کردار ہوتے ہیں) یعنی جو شخص شریعت کا پابند رہتا ہے نیک کام کرتا ہے اور برے اور حرام کاموں سے بچتا ہے اس کو اللہ کی نصرت وتائید حاصل ہوجاتی ہے اور جس کو اللہ کی نصرت حاصل ہو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، اسی وجہ سے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے (تقویٰ اختیار کرتا ہے) اللہ اس کے ساتھ ہوجاتا ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو گویا اس کے ساتھ ایسی جماعت ہے جو مغلوب نہیں ہوسکتی، ایسا نگراں اور پہرے دار ہے جو سوتا نہیں اور ایسا راہنما ہے جو راستہ نہیں بھٹکتا۔

مذکورہ بالا معیت، خصوصی معیت ہے جو اللہ کے احکام پورا کرنے والے نیک بندوں اور متقیوں کو حاصل ہوتی ہے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی وحضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جانے کیلئے کہا اور انھوں نے اس کے ظلم وزیادتی کا اندیشہ ظاہر کیا تو اللہ نے فرمایا: ''لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی'' (طٰہٰ ۴۶) (مت ڈرو،

میں تمہارے ساتھ ہوں، میں سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں)

جب فرعون اور اس کا لشکر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کے قریب پہونچ گیا تو حضرت موسی علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ اب ہم یقینا پکڑے جائیں گے، حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہرگز نہیں " اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ" (الشعراء۶۲) (یقینا میرے ساتھ میرا رب ہے، عنقریب وہ مجھے راستہ دکھائے گا)

اور ہجرت کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ غار ثور میں روپوش تھے اور کفار ان کو تلاش کرتے ہوئے غار کے قریب پہنچ گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کی نظر ہم پر نہ پڑ جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" (التوبہ۴۰) (تم غم مت کرو، یقینا اللہ ہمارے ساتھ ہے)

ان تمام مواقع میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے جو نصرت وتائید اور حفظ واعانت کو مقتضی ہوتی ہے۔

اس کے برخلاف معیت کی ایک دوسری صورت معیت عامہ کہلاتی ہے جس کا ذکر بعض دیگر آیات میں آیا ہے مثلاً " اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَایَکُوْنُ مِنْ نَجْوَی ثَلَاثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا" (المجادلۃ ۷) (کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے، اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی وہ ہوں)

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے: "وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا" (النساء۱۰۸) (اور وہ اللہ سے چھپ نہیں سکتے اس حال میں کہ اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کے وقت ایسی

باتوں کی سرگوشی کررہے ہوتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں ہے، اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے)

اس معیت عامہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں کے اعمال واحوال کو دیکھنا، سننا اور جاننا ہے اور یہ معیت تخویف کو مقتضی ہوتی ہے یعنی بندوں کو اللہ سے ڈرانے کے لئے ہے کہ اللہ تعالی تمہارے ہر عمل، ہر قول فعل حتی کہ دل میں گزرنے والے خیالات اور تمام ظاہر و باطن سے خوب واقف ہیں؛ اس لیے اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔

اور معیت خاصہ نصرت وحفاظت اور طمانینت قلب کو مقتضی ہوتی ہے، اور یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ اور اس کی نصرت وتائید اس کے حکموں پر عمل کرنے اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نصرت وتائید فرماتے ہیں اور جسے اللہ کی نصرت وتائید حاصل ہوجائے اس کا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام سے منہ موڑتا ہے اس کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل ورسوا کردیتے ہیں اور جسے اللہ تعالی ذلیل کریں اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اِنْ یَنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْ بَعْدِہٖ ''(آل عمران ۱۶۰)

(اگر اللہ تمہاری نصرت کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہاری نصرت چھوڑ دے تو اللہ کے بعد کون ہے جو تمہای نصرت کرے)

خریدار حضرات سے!

اگر آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہو تو فوراً / 150 روپئے ارسال فرمائیں۔
خط وکتابت کرتے وقت اپنا پتہ انگریزی میں اور خریداری نمبر لکھنا ہرگز نہ بھولیں۔
ہمارے دفتر سے براہ راست رابطہ کیلئے 0132-2655542 فون نمبر ملائیں (ادارہ)

موجودہ حالات اور دعوت احتساب

مولانا اشرف عباس قاسمی
استاذ دارالعلوم دیوبند

عادۃ اللہ یہ جاری ہے اور تاریخ عروج وزوال شاہد ہے کہ قوموں کی زندگیوں میں ایسے سخت حالات آتے ہیں، جہاں انھیں اپنا وجود بھی خطرے میں نظر آنے لگتا ہے، بالخصوص مسلمان، جو روئے زمین پر خالق کائنات کی مرضیات کے نمائندے اور اس کے احکام تشریعیہ کے پابند ہیں، جب وہ اپنی منصبی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے اور بے اعتدالیوں کے شکار ہو کر جادۂ حق سے ہٹنے لگتے ہیں تو ان کے ارد گرد حالات کا گھیرا تنگ کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ اپنی بے راہ روی کو چھوڑ کر مرضیِ حق کے تابع ہو جائیں۔

اور کبھی یہ نامساعد حالات اس لیے بھی آتے ہیں تا کہ آزمائش کی بھٹی میں ڈال کر یہ دیکھا جائے کہ آیا وہ صبر و ثبات قدمی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یا ان کے پائے استقامت میں لغزش آجاتی ہے، ارشاد باری ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الأَمْوَالِ وَالأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرہ ۱۵۵-۱۵۶)

اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجیے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی ہی مِلک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔

اس طرح یہ حالات باعث رحمت بھی ہوتے ہیں اور غضب الٰہی کا مظہر اور رحمت بھی، یہ

رحمت اس وقت قرار پاتے ہیں جب ان حالات کے نتیجے میں انسان کو توبہ، استغفار اور رجوع الی اللہ کی توفیق نصیب ہو؛ لیکن اگر ان حالات کے باوجود بھی ہم غفلت کے شکار اپنی دنیا میں مست اور احکام الٰہیہ سے دور رہتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حالات قہر الٰہی کا مظہر تھے۔

اس وقت ملک میں مسلمان، انفرادی و اجتماعی اعتبار سے جن مسائل کے شکار ہیں اور پورے ملک کی جو مجموعی صورت حال ہے یہ ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم ان حالات کو صرف ظاہری اسباب سے جوڑ کر نہ دیکھیں؛ بلکہ عملی اعتبار سے اپنا محاسبہ بھی کریں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ حکومت مسلم دشمنی کے رتھ پر سوار ہو کر ہی اقتدار تک پہنچی ہے اور آئندہ اپنے خاص ایجنڈے کے تحت اس سمت میں مزید کوشش کرے گی اور یوگی کو وزیر اعلیٰ بنا کے حکومت نے اپنی منشا واضح کر دی ہے، لیکن سابقہ حکومتیں بھی تو مسلمانوں کے تئیں مخلص نہیں رہی ہیں اور ہندو شدت پسندی کے ناگ کو دودھ پلاتی رہی ہیں، اس لیے ہمیں خوف کی نفسیات سے باہر نکل کر مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔

ان حالات میں سب سے پہلے ہمیں رجوع الیٰ اللہ کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ ہم مسلمانوں پر جو نامساعد حالات آتے ہیں ان میں ہماری بے راہ روی اور خدا کی نافرمانی کو بڑا دخل ہے، سورۂ شوریٰ میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفو عن كثير

اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے پہنچتی ہے اور بہت سے تو اللہ درگزر ہی کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد آیات و احادیث میں اس حقیقت سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ اس لیے ہمیں اپنے آپ کے احتساب اور انفرادی گناہوں سے بھی توبہ کی ضرورت ہے اور اجتماعی جرائم سے بھی، آپسی اختلاف، برادری واد، چھوٹے موٹے ذاتی مفادات کے لیے اجتماعی مصالح کو بھینٹ چڑھا دینا بھی اجتماعی جرائم میں شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایسے مخالف ماحول میں اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا ہمارے شعور ایمانی کے خلاف ہے، اس وقت سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے خلاف ماحول اور ذہن بنا کر نفرت وعداوت کی جو کھائیاں پیدا کر دی گئی ہیں انھیں پاٹ کر برادران وطن تک محبت وانسانیت کا پیام پہنچایا جائے، بہ حیثیت ''خیر امت'' ہماری دینی ذمہ داری ہے کہ ہم برادران وطن سے اپنے فاصلے کم کریں، خواہ وہ آر ایس ایس اور شدت پسند ہندو تنظیموں کے کارکنان کیوں نہ ہوں، ہم ایک مستقل لائحہ عمل کے ساتھ ان سے ملیں، بہ راہ راست ایک ایک فرد تک پہنچنے کی کوشش کریں، یہ ہمارا کتنا بڑا اجتماعی جرم ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی صداقت ''اسلام'' جس کے ہم امین ہیں، ملک کے اسّی کروڑ عوام تک اسے پہنچانے کے حوالے سے اب تک ہم کوئی لائحہ عمل بھی تیار نہ کر سکے، اب وقت آ گیا ہے کہ کانگریس یا بی جے پی کی تفریق کے بغیر خدا کے کنبے کا فرد اور برادر وطن ہونے کے ناطے ہر ایک سے ملیں، اسلامی اخلاق اور اسلامی تعلیمات پیش کر کے ان کے ذہن ودماغ کو کفر ونفرت کی خباثتوں سے پاک کر کے دین وصداقت کی روشنی سے منور کرنے کی کوشش کریں، یہ بہت نازک اور اہم معاملہ ہے؛ لیکن ہماری ملی قیادتیں اور دینی مدارس اگر اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور مشترکہ لائحہ عمل طے کریں تو ایک ایسے وقت میں جب کہ پوری دنیا اسلام کی آہٹ محسوس کر رہی ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان اس عظیم نعمت سے محروم رہے۔

دعوتی کام کے لیے یہ ماحول انتہائی سازگار اور موزوں ہے، یورپ اور امریکہ میں مسلمانوں پر شکنجہ کسنے اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈوں کے بعد ہی ہدایت کی روشنی کی طرف آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، اس کے لیے طویل المیعاد منصوبہ بنانا ہوگا اور نتائج کے لیے صبر واخلاص کے ساتھ کام میں لگے رہنا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائلی زندگی

مولانا شیر محمد امینی، مدرسہ اُبی بن کعب گھاسیڑہ، میوات

رسول اللہ کی حیات مبارکہ میں ان نقوش کی تلاش وجستجو، جو شب وروز کے لمحات میں بکھرے ہوئے ہیں اور جن کے اتباع کے بغیر کوئی شخص حقیقی فوز وفلاح سے ہمکنار نہیں ہوسکتا، پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ کا ایک اعجازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ کا کوئی گوشہ تشنہ تحقیق نہیں، اس اعتبار سے تمام انبیاء سابقین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی اور عائلی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات تک کتابوں میں درج ہیں۔

کسی بھی انسان کے اخلاق کی سب سے بڑی آزمائش کی جگہ خود اس کا گھر ہے، گھر کے لوگوں سے صبح وشام اور شب وروز کا سابقہ پڑتا ہے، گھر کے ماحول میں انسان اپنا ''حقیقی مزاج'' چھپا نہیں سکتا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے بہتر اخلاق اس کے ہیں جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر اخلاق رکھتا ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجی زندگی کی ذمہ داریاں اتنی متنوع اور وسیع ترتھیں کہ ان کے ساتھ اپنے اہل خانہ اور افراد خاندان کے لیے وقت نکالنا اور ان کے حقوق کی رعایت کرنا، آج کے زمانہ کو دیکھتے ہوئے ایک مشکل ترین بات تھی لیکن حیات مبارکہ کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ازواج مطہرات ہوں یا اولاد، خدام ہوں یا اقربا متعلقین ہوں یا احباب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حقوق کی رعایت فرماتے اور زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ اس سے غافل نظر نہیں آتے، ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے

حقوق کی فکر دامن گیر رہتی، ایسا بھی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماتحت افراد کے لیے تند خو اور سخت گیر سرپرست کی حیثیت رکھتے ہوں بلکہ بیویوں کے حق میں ایک محبت کرنے والے شوہر، اولاد کے حق میں ایک شفیق و مہربان باپ اور خدام کے حق میں ایک فراخ چشم اور حلیم و بردبار آقا کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ابھرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہل (ازواج) کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے زیادہ بہتر ہوں۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے اچھے وہ حضرات ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہوں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے جملہ گیارہ شادیاں کیں اور بیک وقت نو بیویاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب مدینہ میں ہوتے تو عصر کی نماز کے بعد تمام ازواج کے پاس جاتے اور ہر ایک کی ضرورت معلوم کرتے اور اس کی تکمیل فرماتے، ازواج کے مابین شب باشی کی باری متعین ہوتی، گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی پابندی شرعاً لازم نہیں تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ طور خود پوری سختی کے ساتھ اس کا اہتمام کرتے۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم معمول اور باری کے مطابق حضرت حفصہ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم کہاں؟ یہ حفصہ کی باری ہے، حضرت عائشہ نے کہا: یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سفر پر روانہ ہوتے تو ازواج کے درمیان

قرعہ اندازی کرتے جس کا نام قرعہ میں نکل آتا ان کو ساتھ لے جاتے۔

آپ کو بچوں سے بہت محبت تھی، راستہ میں بچے کھیلتے ہوئے مل جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سلام کرتے، گھر میں بچوں کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آتے، ان کو کاندھے پر بٹھاتے، گود میں لیتے، پیار کرتے، چومتے، معلوم ہوا کہ مزاج میں اتنی سختی نہ ہونی چاہیے کہ بچے دیکھتے ہی سہم جائیں اور چھپنے لگیں۔

حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کسی ضرورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی، میں نے محسوس کیا آپ کچھ اٹھائے ہوئے ہیں میں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھیلی کھولی، اس میں حضرت حسن اور حسین تھے آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ! ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور اس شخص سے بھی جو ان دونوں سے محبت رکھے۔

آپ کی عائلی زندگی بھی اسلام کے اس مزاج و مذاق کی آئینہ دار ہے کہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں عیدالفطر کے موقع سے چند حبشی نوجوان نیزوں سے کھیل رہے تھے، حضرت عائشہ کہتی ہیں میں نے دیکھنے کی خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کھڑے ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے اور گردن کے درمیان سے میں کھیل دیکھتی رہی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ جب رخصت ہو کر مدینہ آئیں تو اس وقت بھی ان کی عمر زیادہ نہ تھی اور اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں کا کھیل کھیلا کرتی تھیں، لیکن آپ نے کبھی اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، کبھی کبھی ازواج مطہرات کی موجودگی میں خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم دونوں ایک ہی برتن سے غسل کرتے اور پانی لینے میں چھینا جھپٹی بھی ہوتی، کبھی دوڑ کا مقابلہ بھی ہوتا۔

ایک مرتبہ دوڑ کا مقابلہ ہوا، حضرت عائشہ دبلی پتلی تھیں، آگے بڑھ گئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے، پھر کچھ زمانے کے بعد یہی مقابلہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت حاصل کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آقاؤں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: لوگو! جو خود کھاؤ، وہی ان کو بھی کھلاؤ، جیسا کپڑا خود استعمال کرو، وہی کپڑا ان کے لیے بھی تیار کرو، وہ تمہارے بھائی ہیں غلام کو بھائی قرار دے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیوار کو منہدم فرمایا جو حاکم اور محکوم کے درمیان کھڑی کر دی گئی تھی، خادموں کے ساتھ شب و روز اور ہر وقت کا ساتھ ہوتا ہے کوتاہی، لغزش، بھول چوک انسانی فطرت ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی، لیکن کبھی اُف تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہا، اور نہ کبھی یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور جس کام کو میں نہیں کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہیں فرماتے کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا، دس سال کی رفاقت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ''اف'' تک نہیں کہا، یہ تحمل و بردباری اور شفقت کی ایک مثال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ گھر میں داخل ہوتے تو آپ پہلے سلام کرتے اور ایسا انداز ہوتا کہ سونے والے بیدار نہ ہوں اور جو بیدار ہوں سلام کی آواز سن لیں اگر گھر میں کوئی چھوٹا موٹا کام ہوتا تو خود انجام دے لیتے۔

حضرت اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں آ کر کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: اپنے گھر والوں کی خدمت یعنی گھریلو زندگی میں حصہ لیتے تھے اور گھر کا کام بھی کرتے تھے مثلاً بکری کا دودھ دوہ لینا، اپنے نعلین مبارک سی لینا۔ (زادالمعاد)

گھر میں جو کھانا تیار رہوتا حاضر کر دیا جاتا آپ کی مرغوب اور پسندیدہ شئ ہوتی تو تناول فرماتے ورنہ خاموشی اختیار کرتے، لیکن کھانے میں کوئی عیب نہیں لگاتے، دن کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، رات میں عشاء کی نماز کے بعد غیر ضروری جاگنے کو بالکل ناپسند کرتے، آپ کا بستر بالکل معمولی ہوتا بسا اوقات چمڑے کا بستر ہوتا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی اور کبھی چمڑا ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی پر آرام فرماتے۔

ایک کامل اور مکمل انسانی زندگی کی بنیادی شناخت یہ ہے کہ دنیا میں چھوٹے بڑے، حاکم ومحکوم، دوست ودشمن، اپنے اور پرائے، امیر وغریب، ہر سطح اور ہر طبقہ کے لوگوں سے جہاں اس کے تعلقات روشنی میں ہوں اور لوگوں کے لیے مشعل راہ کا درجہ رکھتے ہوں، وہیں اپنی ازواج، خدام، اولاد، متعلقین اور اقرباء ورشتہ داروں میں بھی وہ محبوب ومقبول ہوں اور ان کے ساتھ تعلق وسلوک کے باب میں بھی اس کی زندگی اسوہ اور مثال ہو، اس طور پر دیکھا جائے تو پیغمبر اسلام کی زندگی اپنی مثال آپ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائلی زندگی کا جو نقشہ بنایا اور خود اس پر عمل کر کے دکھایا، حقیقت یہ ہے کہ وہ عائلی اور ازدواجی زندگی کے لیے بہترین نمونہ اور ہر طرح کی بے سکونی کا علاج اور اکسیر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آئینہ میں ہم اپنی گھریلو زندگی کی صحیح صورت گری کر سکتے ہیں۔

سود اور رشوت کی نحوست

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں سود عام ہو جائے وہ قحط سالی میں مبتلا کر دی جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت کا لین دین کثرت سے ہونے لگے وہ دشمن کے رعب میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔(رواہ احمد مرفوعاً ۴/ ۲۰۵)

روحانیت و مادّیت کا بنیادی فرق

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

دُنیا و آخرت، دِین و دنیا، رُوحانی ونفسانی، رحمانی وشیطانی، اور رُوحانیت و مادّیت کی اصطلاحات کا استعمال ہماری مجلسوں، تقریروں اور تحریروں میں کثرت سے ہوتا رہتا ہے، جو حضرات اِن الفاظ کے درمیان موجود فرق کو جانتے ہیں اُن کے مزید اطمینان کے لیے، اور نہ جاننے والوں کی تبلیغ کے لیے کچھ متعلقہ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں، و باللہ التوفیق، و هو المستعان۔

دنیا و آخرت کا فرق: قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں: مذکورہ اصطلاحات میں سے اولین دو اصطلاح کا استعمال زیادہ ہوا ہے، چنانچہ دنیا و آخرت کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

{وما هذه الحياة الدنيا إلا لهو ولعب، وإن الدار الآخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون} (العنکبوت ٦٤) (یہ دنیوی زندگی تو بس تماشا اور کھیل ہے، اور آخرت کا گھر اصل زندگی ہے، کاش لوگ اِس کو سمجھ لیتے)۔

وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور (آل عمران) دنیوی زندگی تو بس ایک دھوکہ ہے۔

{والآخرة خير لمن اتقى} (النساء) (اہل تقوی کے لیے آخرت بہتر ہے)۔

{فما أوتيتم من شيء فمتاع الحياة الدنيا، وما عند الله خير وأبقى، للذين آمنوا...} (الشوری ٣٦) (سو جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لیے ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور پائیدار ہے؛ اُن لوگوں کے لیے جو اِیمان لائے...)۔

{إنما هذه الحياة الدنيا متاع، وإن الآخرة هي دار القرار} (الغافر ٣٩) (دنیوی زندگی تو بس گذر بسر کی چیز ہے، اور بے شک آخرت، وہ ہے رہنے کا اصل ٹھکانہ)۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ ''دنیا'' اور ''آخرت'' اپنی اَصل کے اعتبار سے دو متضاد

تصورِحیات اور دو مخالف سمت ہیں: ایک حقیقت، دوسرا دھوکہ، ایک فانی، دوسرا باقی، ایک حاضر اور موجود، دوسرا غیب اور موعود۔

حدیث شریف: الدنیاسِجنُ المؤمن و جنۃالکافر (مسلم۲۹۵۶) میں یہی ''دنیا'' مراد ہے کہ آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا اِیمان والوں کے لیے قید خانہ اور کافروں کے لیے جنت ہے۔

مگر دونوں کے درمیان اتنے سخت تضاد اور اختلاف کے باوجود، تطبیق کی ایک شکل بھی شریعت نے بتائی ہے، وہ یہ کہ ''دنیا'' کے ہر کام اور اِقدام میں رضائے الٰہی کا اِہتمام اور آخرت کے اجر وثواب کی نیت کرلی جائے، اور شریعت کے ''جواز وعدم جواز'' کے اُصول کی رعایت کرلی جائے، یعنی اِخلاص اور سنت وشریعت کے اتباع کی فکر کرلی جائے تو ان دونوں متضاد راستوں میں بھی تطبیق ہوجائے گی، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی کا اِرشاد ہے:

{من كان يريد العاجلة عجلنا له فيها ما نشاء لمن نريد ثم جعلنا له جهنم يصلاها مذموماً مدحوراً، ومن أراد الآخرة وسعى لها سعيها وهو مؤمن فأولئک كان سعيهم مشكوراً} (الإسراء۱۸-۱۹) (جو اپنے اعمال کا نتیجہ جلد ہی چاہتا ہے تو جس کو جتنا دینا ہوگا ہم (دنیا ہی میں) دے دیں گے، پھر (آخرت) میں ہم نے اُس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ کمین وذلیل ہوکر جلتا رہے گا، اور جو آخرت کی نیت کرے گا اور اُسی کی سعی میں لگے گا اور وہ مؤمن بھی ہوگا تو ہاں ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہوگی)۔

ایک جگہ یہ ارشاد ہے: **{من كان يريد حرث الآخرة نزد له في حرثه، ومن كان يريد حرث الدنيا نؤته منها وما له في الآخرة من نصيب}** (الشوری۲۰) (جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُس کو (اُس کی قسمت کے بقدر) اُس میں سے دے دیں گے، اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہ ہوگا)۔

سورۂ ہود میں ہے **{من كان يريد الحيوة الدنيا وزينتها نوف إليهم أعمالهم فيها، وهم فيها لا يبخسون، أولئک الذين ليس لهم في الآخرة إلا النار، وحبط ما صنعوا فيها، وباطل ما**

کانو یعملون} (۱۵-۱۶) (جو لوگ دنیوی زندگی اور اُس کی زیب وزینت کے طالب ہوں گے، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں دے دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہ ملے گا، اور دنیا کا سب کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اور ان کے سارے اعمال حبط ہو جائیں گے)۔

حدیثِ پاک: الدنیا متاع، وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (مسلم ۱۴۶۷) (دُنیا برتنے اور نفع اُٹھانے کی چیز ہے - دِل لگانے کی چیز نہیں ہے -، اور دنیا میں نفع اُٹھانے کی سب بہتر چیز نیک بیوی ہے)، اِس حدیث میں اُسی "دنیا" کا بیان ہے جو دنیا اور آخرت کی تطبیق کے ساتھ حاصل کی گئی ہو۔

اِس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دُنیا کی جو چیز آخرت کی تیاری میں رکاوٹ نہ بنے، وہ اپنی ذات میں بری نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ قرآن کریم میں اِسی دنیا کی چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: {وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم} (الإسراء ۴۴) (کائنات کی کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، البتہ تم اُس کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو)۔

دِین و دُنیا کا فرق: اور دِین و دنیا کے تقابل کے تناظر میں اِرشاد ہے:

{واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشي یریدون وجهه، ولا تعد عیناک عنهم ترید زینة الحیاة الدنیا، ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذکرنا، واتبع هواه وکان أمره فرطاً} (الکهف ۲۸) (اور آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ رکھا کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اُس کی رضا جوئی کے لیے، اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پائیں، اور اُس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے، اور اُس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے)۔

یہی وہ دُنیا ہے جس کا اِس حدیث شریف میں تذکرہ ہے :ألاَ إنَّ الدنیا ملعونۃ، ملعونٌ ما فیھا إلا ذِکرَ اللّٰہ، وما والاہ، وعالمٌ أو متعلم (ترمذی ۲۳۲۲، وقال: حسن غریب، وابن ماجہ ۴۱۱۲) (سن لو! بے شک دنیا اور جو کچھ اِس دنیا میں ہے سب کچھ سببِ لعنت ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے، اور اُس سے متعلق اُمور کے، اور عالم یا متعلم کے)۔

مطلب یہ ہے کہ اِنسان کی تخلیق کا مقصد اصلی ''عبادتِ خداوندی اور طاعتِ رب'' ہے، لہٰذا جو بھی چیز اِس مقصد میں مخل ہوگی وہ سب اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہوگی۔ (''جامع العلوم والحِکَم''، ۲/۱۹۹، للحافظ ابن رجب حنبلیؒ)۔

دنیا وآخرت، اور دین ودنیا کے فرق سے متعلق حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اِفادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱- جب لفظِ ''دنیا'' بمقابلہ ''آخرت'' استعمال ہو، اُس وقت یہ ''دُنُوٌّ'' (قریب) سے مشتق ہوتا ہے، چونکہ آخرت بعد میں آنے والی ہے، اِس لیے اُس سے پہلے کی زندگی کو ''دُنیا'' (یعنی قریب) کہا جاتا ہے۔

۲- اور جب ''دُنیا'' بمقابلہ ''دِین'' استعمال ہو، اُس وقت یہ لفظ ''دَنِیٌّ'' (خسیس، گھٹیا اور کم تر) سے مشتق مانا جاتا ہے، چونکہ حقیقی اعتبار سے اللہ ورسول کی طرف منسوب چیزیں ہی باوقعت، اور باعزت ہوتی ہیں، اِس لیے خلافِ دین چیزوں کو ''دنیا'' (بمعنی خسیس اور گھٹیا) کہا جاتا ہے۔

پھر دُنیا بمقابلۂ آخرت والی صورت میں تو نیت کی اِصلاح سے تطبیق ہوجاتی ہے، مگر دُنیا بمقابلۂ دِین کی صورت میں تطبیق ممکن نہیں، لہٰذا جو بھی چیز اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت میں مانع بن رہی ہو، اور شریعت کی پابندی اور تابعداری میں مخل ہورہی ہو، وہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ''دُنیوی رونق'' کا حصہ ہے، اور حدیث شریف کے بموجب اُس شخص کے لیے اللہ سے دوری کا اور لعنت ووَبال کا سبب ہے۔ خواہ وہ مال

ودولت کی شکل میں ہو، جاہ ومنصب کی صورت میں ہو، خانگی مسائل، معاشی مشاغل، اور سیاسی تدابیر کے طور پر ہو، یا بیوی، بچوں اور اہل وعیال کی فکرِ تربیت اور سعیٔ روزگار کے طور پر ہو، دینی تقاضوں میں خلل ڈالنے والی ہر چیز ''دنیا'' ہے، جو بری اور مضر ہے۔

اِس کے بر خلاف اِس ''دنیا'' میں پائی جانے والی جو حلال اور مباح چیزیں دِینی امور اور مقاصد میں معاون بن جائیں، وہ اللہ کا انعام ہیں، اُن کی قدردانی اور شکر گذاری کا حکم ہے، اور صحیح معنوں میں دنیا کی ایسی چیزیں تو ''دین'' کا حصہ بھی ہیں، اِس کا ظاہری معیار یہ ہے کہ جب دین ودنیا کے تقاضوں میں (جواز وعدم جواز کا، یا اِختیار کرنے اور نہ کرنے کا) اختلاف اور تعارض ہو تو ترجیح ہمیشہ شرعی حکم اور دینی تقاضے کو دی جائے، نفسانی خواہشات، طبعی جذبات اور دنیوی تقاضوں کو نہیں۔

اشتغالِ دنیا کے چار مرتبے: کتاب وسنت کے مجموعی نصوص، اور سیرتِ پاک وسوانح اکابر کو سامنے رکھتے ہوئے علمائے حق نے اِشتغال دنیا کے چار مرتبے بیان فرمائے ہیں-

۱— اِنسان اپنا مبلغِ علم اور محورِ سعی وعمل قرار تو دے فکرِ آخرت کو، مگر بقدرِ کفاف کسبِ حلال بھی کرلے، یہ زہد فی الدنیا کہلاتا ہے، اور یہی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے جانشینوں کا طریقہ ہے، حضرت تھانویؒ نے علماء کے لیے اِسی کو افضل قرار دیا ہے۔

۲— آخرت کی فکر اور اِستحضار کے ساتھ ساتھ، سہولت اور آسائش کی حد تک شغل دنیا میں لگے، اور اُس کو بھی حصولِ آخرت اور تحصیلِ دین ہی کا ذریعہ بنالے، یہ عام متموّل صالحین کا طرزِ عمل ہے، بلکہ بعض انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام اور بہت سے اصحابِ رسول کی سیرت میں بھی اِس کا نمونہ موجود ہے۔

۳— دنیا ومافیہا سے (قلباً وعملاً) بالکل یکسو ہوکر، صرف فکرِ آخرت کا غلبہ ہو، اس کے اِختیار کرنے سے اگر دیگر حقوق اللہ اور حقوق العباد متاثر نہ ہوں، تو اس کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اگر شرطِ مذکور کی رعایت کے ساتھ، کسی شخص کے لیے دِینی اعتبار سے مفید ہونا متعین

ہو جائے، تو محمود اور پسندیدہ بھی ہے۔

۴— حلال وحرام سے بے پروا، اور آخرت سے غافل ہو کر، فکرِ دنیا میں پوری طرح اِنہماک، یہ وہ دنیاداری ہے جس کی قرآن وحدیث میں مذمت وارد ہوئی ہے۔

حضرت تھانویؒ "بیان القرآن" میں آیت: {ربنا آتنا في الدنيا حسنةً وفي الآخرة حسنةً وقنا عذاب النار} (البقرة ۲۰۱) کے تحت فرماتے ہیں: "اِس آیت سے ہمارے زمانے کے طالبانِ دنیا کو شبہ پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طالبانِ دنیا کی مدح کی ہے جب کہ وہ طالبِ آخرت کے بھی ہوں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیوں کہ آیت میں {آتنا} کا مفعول بہ {حسنة} ہے، اور {الدنيا} ظرفِ طلب (مانگنے کی اور ملنے کی جگہ) ہے، خود مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب: {حسنة} ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ اِس کے طالب ہیں کہ ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے "حسنہ" یعنی وہ حالت جو آپ کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہو عنایت کی جاوے، اور اَصل: پسندیدہ اعمال ہیں، پس بالذات وہ مطلوب ہوئے، اور دنیا کے جس قدر حصے کو اِن اَعمالِ حسنہ میں دخل ہے؛ خواہ اہل ہو، یا صحت ہو، وہ البتہ اس "حسنہ" کے تابع ہو کر بالعرض وبالغیر مطلوب ہو جاوے گا۔

بخلاف اِس وقت کی تعلیم وطرزِ عمل کے، جس میں دنیا کو مطلوب، اور آخرت کو محض برائے نام قرار دے رکھا ہے، حاشا وکلّا! اس کو آیت سے مسّ بھی نہیں، غایت ما فی الباب (زیادہ سے زیادہ) اگر طلبِ دنیا میں حلال وحرام کے حدود شکستہ نہ کیے جاویں تو اِباحت کا حکم کر دیا جاوے گا، لیکن "مباحِ شرعی" ہونے سے "مطلوبِ شرعی" ہونا لازم نہیں آتا، خوب سمجھ لو۔" انتہی۔ (باقی آئندہ اِن شاء اللہ)

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

صوتی آلودگی اور اسلام

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے، جس میں کسی انسان تو کجا، کسی ذی روح کو تکلیف دینے کی ہرگز اجازت نہیں، اسی لیے موجودہ دور میں پھیل رہی مختلف آلودگیوں کے متعلق بھی اسلامی ہدایات واضح اور دوٹوک ہیں، یہاں ہم صوتی آلودگی سے متعلق چند باتوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ یقینا صوتی آلودگی انسان کے لیے کچھ کم مضرت رساں نہیں اور یہ شور اور غیر معتدل آواز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جس کا شریعتِ اسلامی نے پورا لحاظ رکھا ہے، اس کے باوجود بعض ناواقفوں کی جانب سے بعض بے سروپا باتیں سامنے آتی رہتی ہیں۔

پریشان کُن کارخانے

سب جانتے ہیں کہ کارخانے کی بعض مشینیں بہت پُرشور ہوتی ہیں، حکومت کی طرف سے ان کو آبادی سے باہر لگانے کی ہدایت ہوتی ہے، یہ ہدایت شرعاً بھی قابلِ لحاظ ہیں، کیوں کہ مشاہدہ ہے کہ بعض مشینوں سے شہریوں کو بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے، اس لیے شریعت کا ماننا ہے کہ حکومت کی طرف سے ان کو آبادی سے باہر نکالنے کی ہدایت خیرخواہی پر مبنی ہے، جس پر عمل نہ کرنے سے انسانی آبادی کے ساتھ کھلواڑ ہوتا ہے، نیز اس کا ثبوت خیر القرون میں بھی موجود ہے، چناں چہ ایک روایت کے مطابق امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک لوہار کی دکان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا تھا، کیوں کہ وہ پریشان کن آلودگی کا سبب بنی ہوئی تھی، نیز امام ابو یوسفؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ ہر شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے کسی پڑوسی کو اپنا گھر حمام میں تبدیل کرنے یا اس کے دھویں سے دوسروں کو تنگ کرنے سے روک

دے۔(تطہیرِ ماحول اور اسلام کے معمولات)

گاڑیوں کے زوردار ہارن

اکثر بڑے شہروں میں گاڑیوں کے ہارنوں کی آواز بھی بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، بعض لوگ غیر ضروری طور پر ہارن بجاتے ہیں اور بعض حضرات اپنی گاڑی میں ضرورت سے زیادہ تیز آواز کا ہارن، یہاں تک کہ ایمبولنس میں لگائے جانے والے سائرن کی طرح کے ہارن لگاتے ہیں، اس سے صوتی آلودگی بھی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے راہ گیروں کو دہشت بھی ہوتی ہے، ایسا کرنے والے افراد اپنا مختصر سا وقت بچانے کے لیے دوسروں کی تکلیف کا باعث بنتے ہیں، جس کی شریعت میں ممانعت وارد ہوئی ہے، اول تو سڑکوں پر کوئی بھی ٹھہرنے اور بسنے کے لیے نہیں اترتا، جب وہ سڑک پر آیا ہے، خواہ پیدل ہو یا سوار، اسے بھی آگے جانا ہوگا، پھر جب آگے راستہ ہی بند یا سواریوں سے گھرا ہوا ہو تو ایسے میں بلا وجہ زور شور سے ہارن بجاتے رہنا بالکل غیر مناسب ومکروہ عمل ہوگا، ہارن کا استعمال فقط اتنا ہے کہ اپنے آس پاس والوں کو جتا دیا جائے کہ کوئی اور بھی منتظر ہے، نہ یہ کہ پوری سڑک پر ایک ہنگامہ بپا کیا جائے۔الضرر لایزال بالضرر۔(الاشباہ والنظائر)

مروّجہ ڈی جے

ہمارے معاشرے میں بدقسمتی سے مختلف تقریبات میں ڈے جے کا رواج بڑھتا جارہا ہے، اس کا شور انسان کی سماعت اور ماحول کے لیے سخت نقصان دہ ہے، یعنی مزامیر میں داخل ہونے سے قطعِ نظر ڈے جے کا معاشرے میں بے جا استعمال واقعی تکلیف دہ ہے، جس میں ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مزامیر کی قباحت کے سوا آس پاس کے لوگوں کو تکلیف دینا بھی ہے، کتنے لوگ بہت زیادہ آواز سے دل کے دوروں اور دماغی پریشانیوں کا شکار ہوجاتے ہیں، جیسے کہ ربیع الاول کے مہینے میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ ڈی جے میں

بلند آواز کے سبب جشنِ عید میلاد النبی کے جلوس میں ایک سولہ سالہ لڑکے کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، اسی لیے ضرورت سے زیادہ آواز اور بلا وجہ شور مچانے کو شریعت سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔

جلسوں و مشاعروں کا شور

ہمارے معاشرے میں مذہبی، سیاسی جلسوں اور مشاعروں کا رواج بھی عام ہے، قانونی اعتبار سے اس کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، مثلاً رات کے دس یا ساڑھے دس بجے تک، کہ اس کے بعد پروگرام جاری نہیں رکھا جاسکتا، اسی طرح آواز کے بارے میں بھی تحدید ہوتی ہے کہ کس درجے کا ساؤنڈ سسٹم ہونا چاہیے اور کتنے ساؤنڈ بکس رکھے جاسکتے ہیں؟ اس کا مقصد لوگوں کی صحت اور ماحولیات کا تحفظ دونوں ہوتا ہے، لیکن بہت سے لوگ ان ہدایات پر عمل نہیں کرتے، آواز کا شور پوری آبادی تک پہنچاتے ہیں اور رات رات بھر پروگرام چلائے جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو جاننا چاہیے کہ اس طرح کے قوانین کی خلاف ورزی معاہدے کو توڑنے کے حکم میں داخل اور ناجائز ہے، بقول حضرت تھانویؒ: اگر کوئی حکم ایسا ہے کہ اس میں عام لوگوں کی مصلحت ہے (اور اس کے) خلاف کرنے میں عام ضرر ہے، اس میں حاکم کی اطاعت، قانون کی پابندی ظاہراً و باطناً واجب ہے (یعنی اعلانیہ طور پر بھی واجب ہے اور خفیہ طور پر، یعنی حاکم کو اطلاع بھی نہ ہو، تب بھی واجب ہے)۔ (اسلام اور سیاست)

جب شریعت میں قرآن کی تلاوت کے جہر میں تکلّف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لیے باعثِ ایذا ہو، ناجائز ہے، تو کسی اور دینی یا دنیوی موقع پر اس کی کیسے اجازت دی جاسکتی ہے۔

آیت: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ' کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ آوازِ بلند قرأت فرماتے تو مشرکین سن کر بُرا بھلا کہتے تھے، اس پر یہ حکم

نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قراءت کریں تاکہ صرف صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے۔(احسن الفتاویٰ)

ویسے بھی کہیں کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی پریشان، اس لیے زبردستی کسی کے کانوں میں آواز ڈالنا قانون کی خلاف ورزی کے ساتھ ساتھ اخلاق کے بھی خلاف ہوگا،جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

صحابہ کے دور کا واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کہا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا،لیکن ان کی آواز بہت بلند تھی، اوراس سے حضرت عائشہؓ کی یک سوئی میں فرق آتا تھا، یہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، اس لیے حضرت عائشہ نے حضرت عمر سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کرتے رہتے ہیں،جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی، حضرت عمر نے اُن صاحب کو پیغام بھیج کر انھیں وہاں وعظ کرنے سے منع کیا،لیکن کچھ عرصے کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کردیا،حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود جاکر اُن صاحب کو پکڑا،اوران پر تعزیری سزا جاری کی۔

بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ دراصل وہ اسلامی معاشرے کے اس اصول کو واضح اورنافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت وتبلیغ کا پُروقار طریقہ کیا ہے؟ چناں چہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عاشہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ وتبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اوران آداب میں یہ بھی فرمایا کہ اپنی آواز کو اُنھیں لوگوں کی حد تک

محدود رکھو جو تمھاری مجلس میں بیٹھے ہیں، اور انھیں بھی اُسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک ان کے چہرے تمھاری طرف متوجہ ہوں، جب وہ چہرے پھیر لیں تو تم بھی رُک جاؤ الخ۔(مجمع الزوائد/بحوالہ ذکر وفکر)

لاؤڈ اسپیکر پر اذان

اُذان: جو کہ چند منٹ کی ایک ایسی عبادت ہے کہ اسلام کی سب سے اہم عبادت نماز کے کامل طور پر ادا ہونے کا ایک وسیلہ اور مقدّمہ ہے، جس کا مقصد لوگوں کو نماز کی اطلاع دینا ہوتا ہے کہ لوگ معینہ وقت پر مسجد پہنچ جاتے اور باجماعت نماز پڑھتے ہیں، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مؤذن کی اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے، وہاں تک موجود ہر تر وخشک چیز قیامت کے دن مؤذن کے حق میں گواہی دے گی اور اس کی برکت سے مؤذن کی بخشش کر دی جائے گی، اس لیے بلند آواز سے اذان دی جائے۔(ابوداود) اس حدیث سے اذان کو بلند کرنے کا اشارہ ملا، جس کے لیے فی زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاتا ہے، نیز اگر فی زمانہ اذان کے لیے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال نہ کیا جائے تو یقینا اذان کا مقصد جو کہ لوگوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینا ہے، فوت ہو جائے گا، پھر آبادی کی کثرت وغیرہ بھی ایسے اسباب ہیں، جن سے ایسے کاموں کے لیے لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت لازمی ہو گئی ہے، اس لیے اذان کے لیے اس کا محتاط استعمال نہ صرف درست بلکہ مستحسن ہے۔

حرام خوری کی نحوست

حضرت سہل تستری فرماتے ہیں کہ جو شخص مال حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء خواہ مخواہ نافرمان ہو جاتے ہیں اس کو خبر ہو یا نہ ہو اور جس کی غذا حلال ہوتی ہے اس کے اعضاء اطاعت کرتے ہیں اور اس کو خیرات کی توفیق ہوتی ہے۔

(۲/۸۶، احیاء العلوم) ماخوذ از تفسیری خطبات

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ

میں نے انھیں دیکھا ہے

مفتی شعیب احمد بستوی معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات کے بعد نامعلوم کتنے لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں آپ کو خراج تحسین پیش کیا، اسی ضمن میں بہت سے احباب اور حضرت کے اعزاء نے بار بار بندہ سے شدید تقاضا کیا کہ تم بھی کچھ حضرت پر لکھو، لیکن میں نے ہر بار اسے نظر انداز کر دیا صرف اس وجہ سے کہ حضرت پر لکھنے کے لئے حضرت کے بڑے بڑے اہل علم اور باعمل تلامذہ، مریدین اور خلفاء ہیں مجھ جیسا ناکارہ جو حضرت کے علمی وروحانی مقام سے قطعاً نابلد ہے وہ کیا لکھے میں تو مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کے بھی قابل نہیں، مگر اب بھی کچھ احباب اسی پر بضد ہیں کہ تمہیں مضمون نہیں لکھنا بلکہ حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے جو کچھ تم نے دیکھا اس کو لکھ دو، اور بس، اس سے دوسروں کو فائدہ ہوگا، اس لئے آئندہ سطور میں جو کچھ لکھا جائے گا وہ انھیں احباب کے حکم کی تعمیل ہوگی اس امید پر کہ شاید حضرت کے ادنی غلاموں میں اس بڑھیا کی طرح میرا بھی نام آجائے جو خریداران یوسف علیہ السلام میں شامل تھی۔

میری مظاہر علوم میں آمد:— ابتداء تعلیم سے مظاہر علوم بغرض تعلیم آنے کا کوئی ارادہ دور، دور تک نہ تھا اس لئے کہ جس مدرسہ میں میں تعلیم حاصل کر رہا تھا وہاں دارالعلوم دیوبند کے نصاب کے مطابق تعلیم ہوتی تھی اور ناظم صاحب بھی قاسمی تھے، لیکن میری علاقہ کی تعلیم مکمل ہونے سے ایک سال قبل میرے بڑے بھائی حافظ عزیر احمد صاحب بغرض تکمیل تعلیم مظاہر علوم آچکے تھے، اس لئے والد صاحب نے کہا کہ بیٹا آئندہ ایک سال تم مظاہر علوم میں چلے جاؤ اس لئے کہ تمہارا بڑا بھائی وہاں موجود ہے اور تم کبھی گھر سے باہر نہیں نکلے ہو ایک سال اس کی نگرانی میں رہ

لوگے تو تم میں بھی کچھ ہوشیاری آجائے گی، والد صاحب کا مشورہ حکم کا درجہ رکھتا تھا، چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی رضامند ہوگئے، پھر بھائی صاحب سے خطوط کے ذریعہ اور چھٹیوں میں گھر آمد کے موقع پر مظاہر علوم کے بارے میں معلومات بھی کرتا رہا اور وہ ازخود بھی سناتے رہتے تھے، دو حضرات کی تعریف وتوصیف سے وہ رطب اللسان رہتے، ایک حضرت شیخ صاحبؒ اور دوسرے حضرت الاستاذ مولانا محمد سلمان صاحب حال ناظم مظاہر علوم، جس کی وجہ سے ان دونوں حضرات کو دیکھنے اور زیارت کا شدید شوق تھا، اور اللہ گواہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی پہلی زیارت سے دل کو جو سکون ملا وہ بیان سے باہر ہے، اللہ اس کو باقی رکھے، آمین

حضرت شیخ صاحبؒ سے تعلق کی ابتداء:- داخلہ کی کارروائی مکمل ہوکر قیام دارالطلبہ قدیم کمرہ ۱۲ میں طے ہوا کیونکہ بھائی صاحب نے حضرت کی خدمت کی وجہ سے اسی کی کوشش کی تھی حضرت کا قیام کمرہ ۱۰ میں تھا اور ۱۱ نمبر میں کھانا وغیرہ پکتا تھا، مجھے چونکہ اچھی روٹی پکانی آتی تھی بھائی کہنے لگے کہ تو حضرت کی روٹی پکا دیا کر، میں نے کہا ٹھیک ہے، ایک دن بھائی مجھے لیکر حضرت کے کمرہ میں گئے اور حضرت سے فرمایا کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے یہ روٹی پکانا جانتا ہے اگر اجازت ہو تو یہ پکا دیا کرے، حضرت نے ایک نظر مجھ پر ڈالی اور فرمایا یہ تو بدھو ہے، یہ کیا پکائے گا، تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ اچھا کسی دن پکا کر لانا، چنانچہ حضرت کے خادم سے اجازت لیکر ایک دن میں نے روٹی پکائی اور حضرت کی خدمت میں لے گیا روٹی دیکھ کر فرمایا کہ شکل سے تو بدھو لگتا ہے مگر روٹی اچھی پکائی ہے اس کے بعد کبھی کبھی میں روٹی پکاتا اور نہ حضرت کے دوسرے مستقل خدام کھانا پکاتے۔

پھر امتحان سہ ماہی کے بعد مدرسہ کا قضیہ پیش آ گیا ہم لوگ کیمپ میں منتقل ہو گئے اور حضرت شیخ کا قیام کچے گھر میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے یہاں ہوگیا دو مہینہ کیمپ میں رہنے کے بعد مدرسہ میں آ گئے لیکن حضرت کا قیام کچے گھر ہی میں رہا، اس لئے کھانا بنانے کی نوبت تو نہیں آئی البتہ گاہے گاہے خدمت میں حاضری ہوتی رہتی تھی، بھائی

عزیر احمد صاحب رات کو مستقلاً حضرت کے یہاں ہی سوتے تھے، آئندہ سال جب آپ دارالطلبہ جدید منتقل ہو گئے تو تقریباً ڈیڑھ سال تک بندہ کو کچھ خدمت کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت کے روحانی وعلمی مقام ومرتبہ سے میں کیا واقف ہوتا، اس کی تو ہوا بھی نہیں لگی میں تو اسی پر اپنے مالک کا شکر گذار تھا کہ حضرت نے اپنی خدمت میں رہنے کا موقع دیا۔

البتہ اس عرصہ میں میں نے جو چیز حضرت میں نمایاں طور پر دیکھی وہ توکل علی اللہ اور استغناء عن الناس، توکل کا یہ عالم تھا کہ بعض مرتبہ پورا مہینہ اس طرح گذر جاتا کہ حضرت کے پاس ایک روپیہ بھی نہیں ہوتا تھا، لیکن زبان مبارک سے کبھی ایسا کوئی جملہ نہیں سنا کہ جس میں کسی پریشانی کا اظہار ہو اور نہ ہی چہرہ سے کسی پریشانی اور گھبراہٹ کا احساس، بلکہ ہشاش بشاش، دو واقعے لکھتا ہوں جس سے آپ کو بھی اندازہ ہو جائے گا۔

پہلا واقعہ: شوال کا مہینہ تھا داخلہ کے امتحانات چل رہے تھے ایک دن ایسے ہی تفریح کے طور پر مدرسہ کے چوک پر میں گیا ہوا تھا اچانک دل میں خیال گذرا کہ چلو شیخ صاحب کے پاس، چنانچہ میں فوراً ہی چلا گیا جبکہ اس وقت جانے کا معمول نہیں تھا، خیر! جیسے ہی میں اوپر کمرہ کے دروازہ پر پہنچا حضرت نے پوچھا کہ کون؟ میں نے نام بتایا، فرمایا ارے جلدی سے ٹھنڈا لیکر آ یہ میرے مہمان ہیں، دیر سے بیٹھے ہیں اور انہیں رائے پور جانا ہے، نیچے عبداللہ بھی نہیں ہے (پیر صاحب کے کتب خانہ کے منیجر) میں فوراً نیچے آیا بابو چائے والے کے بغل میں ایک دوکان تھی وہاں سے تین چار بوتلیں لے گیا مہمانوں کو پلایا اور وہ فوراً ہی رائپور کے لئے روانہ ہو گئے میں بوتلیں واپس دے کر کمرہ میں آیا حضرت نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس ایک روپیہ بھی نہیں تھا، اور یہ خاص مہمان تھے نیچے عبداللہ بھی نہیں تھا میں دل دل میں اللہ سے دعاء کر رہا تھا کہ یا اللہ میری عزت رکھ لے، مجھے مہمانوں کے سامنے شرمندہ نہ کر، اللہ نے تجھے بھیج کر میری عزت رکھ لی، چل تیرے پیسے جب میرے پاس کہیں سے آویں گے تب دونگا۔

دوسرا واقعہ: میرے بھائی جب یہاں سے فارغ ہوکر چلے گئے تو اپنے علاقہ کے ایک قدیم مدرسہ میں (جو مظاہر علوم اور دارالعلوم سے بھی قدیم ہے) حفظ کے استاذ ہوئے تو انھوں نے اپنی پہلی تنخواہ سے ڈیڑھ سو روپئے کا منی آرڈر بھیجا منی آڈر کی سلیپ پر لکھا تھا کہ پچیس روپئے حضرت شیخ کو میری طرف سے ہدیہ پیش کر دینا اور کہنا کہ پہلی تنخواہ سے بھائی نے بھیجے ہیں اور بقیہ تمہارا اخرچہ ہے، میں پچیس روپئے ایک سادہ لفافہ میں رکھ کر لے گیا حضرت کچے گھر میں اوپر کمرہ میں تنہا بیٹھے تھے میں نے لفافہ بڑھاتے ہوئے کہا کہ حضرت بھائی عزیر نے آپ کے لئے...اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت نے لفافہ میرے ہاتھ سے چھین لیا اور فرمایا کہ لا، لا عزیر کا تو مجھے چاہئے، پھر پوچھا کہ اس میں کتنے روپئے ہیں میں نے کہا کہ پچیس روپئے ہیں اور پہلی تنخواہ سے، اس پر تین بار فرمایا عزیر کے پچیس روپئے بہت ہیں پھر فرمایا بتاؤں! اس وقت میرے پاس ایک روپیہ نہیں تھا کوئی مہمان آجاتا تو چائے بھی پلانے کو پیسے نہیں تھے میں اللہ سے دل دل میں دعاء کررہا تھا کہ یا اللہ کہیں سے بھیج دے، اللہ نے سن لی، اب پچیس روپئے میں تو بہت ساری چائے آئے گی اس وقت عام دوکانوں پر چائے پچاس پیسے کی اور بابو چائے والے کے یہاں پچھتر پیسے کی تھی۔

اس کے برخلاف کئی مرتبہ ایسا بھی دیکھا کہ کسی آنے والے نے اچھی خاصی رقم پیش کی حضرت نے قبول نہیں کیا بلکہ بالکل بے نیازی سے فرمادیا کہ مجھے ضرورت نہیں الحمدللہ میرا کام چل رہا ہے، اصرار کے باوجود قبول نہیں کیا جبکہ اس وقت میں حضرت مقروض تھے مجھے اس کا علم تھا کیونکہ مطبخ کا حساب کتاب میرے ذمہ تھا ایک کاپی تھی اس میں سارے اخراجات میں لکھتا تھا حکم تھا کہ قرض اپنے نام سے لیکر چلاتا رہ جب کہیں سے آوے گا تب دوں گا، چنانچہ میں اپنے بعض ساتھیوں سے لیکر کام چلاتا اور جب کہیں سے پیسے آتے تو سب سے پہلے مجھے بلاکر حساب پوچھتے اور اس کی ادائیگی کرتے بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ جتنا میں نے خرچ بتایا اتنا ہی کہیں سے آیا اس پر فرماتے نالائق سب لے لے گا، اچھا چل

حفاظت کی پریشانی سے بچ گیا۔

ان دونوں وصفوں کا ایسا مشاہدہ تھا کہ مجھ جیسا کور باطن بھی اس کو ماننے پر مجبور تھا، اسی کے ساتھ آپ صاحب کشف وکرامت بھی تھے۔

(۱) جب مدرسہ ایک تھا اور ہم دار الطلبہ قدیم میں مقیم تھے تو ایک دن ہمارے کمرہ میں ایک طالب علم آیا وہ ضلع بستی کا تھا اور ہتھورا باندہ میں حضرت قاری صدیق صاحبؒ کے مدرسہ میں پڑھتا تھا، اس نے آکر بتایا کہ بہت دنوں سے حضرت کی زیارت کی تمنا تھی میں سہارنپور آنے کے لئے قاری صاحبؒ سے رخصت لینے گیا تعلیمی وقت ہونے کی وجہ سے قاری صاحبؒ نے رخصت نہیں دی، اور میں بلا رخصت سہارنپور آگیا اور ابھی میں حضرت کے کمرہ میں گیا جیسے ہی میں نے سلام کیا حضرت نے پوچھا کہاں سے آئے ہو میں نے کہا کہ ہتھورا سے، تو سخت غصہ میں ڈانٹ کر فرمایا کہ نکل جا میرے کمرہ سے جب حضرت نے اجازت نہیں دی تھی تو پھر بغیر اجازت کیوں آیا اس پر وہ سخت متعجب تھا کہ میں نے آگے کچھ کہا ہی نہیں اور آپ نے ساری بات بتادی، خیر وہ انتہائی عقیدت مند ہو کر واپس لوٹا۔

(۲) دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جلالین کے سال میں اور ایک میرے ساتھی مولوی ریاض الدین بستوی (حال مقیم کچھ بھج گجرات) شعبان کی تعطیل میں گھر نہیں گئے پندرہ بیس رمضان تک رکنے کا ارادہ تھا ہم دونوں حضرت کی خدمت میں رہتے تھے، البتہ کھانا وغیرہ میں پکاتا تھا، رمضان سے ایک دن قبل حضرت نے فرمایا کہ کل سے تم دونوں اپنا اپنا کھانا لاکر یہیں مہمانوں کے ساتھ کھالینا، ورنہ تمہیں وقت نہیں ملے گا پہلے دن کی سحری کا واقعہ ہے کہ سحری تیار کر کے تقریباً پچیس منٹ پہلے میں نے شیخ کو بیدار کیا شیخ اٹھے استنجا وضوء وغیرہ سے فارغ ہو کر آئے تو وقت بہت کم رہ گیا تھا میں نے سحری پیش کی اسے تناول فرماتے ہوئے پوچھا کہ تم نے سحری کھالی میں نے کہا کہ نہیں! فرمایا جلدی جاؤ وقت ختم ہو رہا ہے ہم نے جلدی سے دسترخوان بچھایا اور پلیٹ میں پلاؤ نکالی ہی تھی کہ ایک دم گولے کی آواز

آ گئی نہ ایک لقمہ کھایا اور نہ ہی پانی کا کوئی گھونٹ پیا، حضرت نے پوچھا کہ ارے کچھ کھالیا ہم نے کہا کہ نہیں فرمایا ''اللہ آسان فرمائے۔''

پھر کہا کہ کل سے تم لوگ پہلے سحری کھالیا کرو میرے انتظار میں رہو گے تو روز بھوکے پیاسے روزہ رکھنا پڑے گا، سخت گرمی کا زمانہ تھا غالباً ۱۹۹۰ء کا رمضان تھا ہم پریشان تھے مگر میں یقین اور حلف کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اتنے سکون کا روزہ اب تک کی زندگی میں کسی اور دن کا نہیں گذرا شام تک نہ بھوک کا احساس ہوا اور نہ پیاس کا، یقینا یہ حضرت کی کرامت اور ان پر اللہ کا خاص انعام تھا کہ انکے ایک جملہ نے ہم گنہ گاروں کا بیڑا پار لگا دیا۔

خدام کی دلجوئی:۔۔۔ حضرت کا غصہ اور خدام کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا مشہور تھا لوگوں نے آپ کے صرف اسی رخ کو دیکھا ہے حالانکہ آپ خدام کی دلجوئی بھی فرماتے تھے جس کا علم لوگوں کو نہیں، لیکن میں اپنی آپ بیتی سناتا ہوں۔

(۱) اسی رمضان المبارک کا واقعہ ہے کہ ایک دن اچانک سات آٹھ مہمان بے وقت آگئے، ہم حضرت کو کھانا کھلانے کے بعد مہمانون کو کھلا رہے تھے، البتہ ہم شریک دسترخوان نہیں تھے سوچا تھا کہ مہمانوں کے فارغ ہونے کے بعد اگر کچھ بچے گا تو بعد میں کھالیں گے، حضرت شیخ نے اپنے کمرہ سے مجھے دیکھ لیا فوراً ایک مہمان کو بلایا اور غصہ میں فرمایا : کہ ''سنو میرے یہاں نہ کوئی مہمان ہے نہ کوئی میزبان، سب مہمان ہیں، سب میزبان ہیں، تم سب کھا رہے ہو اور وہ تمہارا منھ دیکھ رہا ہے، دوپہر سے لگا ہوا ہے، وہ کب کھائے گا آگے نماز کا وقت ہو رہا ہے'' اور مجھ سے فرمایا کہ ''سب کے ساتھ کھایا کر تو سب کا نوکر تھوڑا ہی ہے۔''

(۲) دسرا واقعہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت کا سالن دیسی گھی میں بنتا تھا مہمانوں کے لئے تو اکثر شہر سے کافی کھانا آجاتا تھا کبھی کبھار پکانے کی نوبت آتی تھی، تو ایک ساتھ گھی میں سب کی سبزی پکا دیتا تھا، لوگ ہدیہ میں حضرت کو گھی دے جاتے اور حضرت اسے اپنے پاس ہی رکھتے ضرورت پر مانگ کر لے آتا، ایسے ہی ایک موقع پر میں مانگنے گیا تو ایک ڈبہ دیدیا ڈبہ تو تقریباً

ایک کلو یا اس سے کچھ زائد وزن کا تھا مگر گھی اس میں بہت تھوڑا تھا لگ بھگ پاؤ ڈیڑھ پاؤ، اس لئے جلدی ختم ہو گیا میں دوبارہ لینے گیا تو فرمایا کہ ابھی تو لے گیا تھا اتنی جلدی ختم کر دیا، جا بعد میں آنا، اس وقت میں مشغول ہوں، تراویح وغیرہ سے فارغ ہو کر حضرت شیخ جب لیٹنے کے لئے اپنے کمرہ میں چلے گئے تو چونکہ سحری کے لئے گھی نہیں تھا اس لئے میں لینے چلا گیا بس حضرت نے جو ڈانٹنا شروع کیا الامان الحفیظ میں چارپائی کی پائینتی بیٹھا تھا اور حضرت ڈانٹ رہے تھے تقریباً پچیس منٹ تک ڈانٹتے رہے اور مجھے نکلنے کے لئے کہتے رہے، میں بالکل خاموش بیٹھا سنتا رہا جب زیادہ دیر ہو گئی تو مجھے رونا آ گیا، اور میں خوب رویا جب حضرت نے میرا رونا دیکھا تو غصہ کچھ کم ہوا اور نرمی سے فرمانے لگے کہ میں اپنی بیماری کی وجہ سے دیسی گھی کھا رہا ہوں ڈالڈا مجھے نقصان کرتا ہے میں غریب آدمی ہوں مہمانوں کو کہاں سے دیسی گھی کھلاؤں گا اگر تیری سمجھ میں نہیں آیا تھا تو جس طرح اور باتیں پوچھ لیتا ہے یہ بھی پوچھ لیتا (میری عادت تھی کہ ہر وقت کا کھانا پوچھ کر پکاتا اس پر فرماتے کہ نالائق مجھ سے پوچھ کر مجھ کو پھنسا دیتا ہے اور ڈانٹ سے بچ جاتا ہے) اس پر میں نے کہا کہ حضرت ڈبہ کافی بڑا تھا مگر گھی اس میں بہت تھوڑا تھا ، کہنے لگے کہ کمبخت پہلے کیوں نہیں بتایا جب تھکا دیا تب بتا رہا ہے میں تو سمجھ رہا تھا کہ ڈبہ بھرا ہوا تھا، میں نے کہا کہ حضرت بیچ میں بولتا تو اور سننی پڑتی اس لئے خاموش رہا، اس کے بعد ہنستے ہوئے حضرت نے گلے سے لگایا اور فرمایا نالائق معاف کر دینا۔

اسی رمضان کا ایک اہم واقعہ ہے کہ ایک دن ظہر کی نماز اور ذکر سے فارغ ہو کر حضرت تلاوت قرآن فرما رہے تھے میں کھانے کے لئے معلوم کرنے گیا تو حضرت کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی آپ پڑھ رہے تھے، فرمانے لگے کہ بھلا اس شخص کو اللہ میاں کیسے عذاب دے گا ایسے اشعار تو دل میں عشق مصطفی کے بغیر کوئی کہہ ہی نہیں سکتا، بچو! عشق مصطفی اور حبِّ نبی بہت بڑی چیز ہے، آگے ارشاد فرمایا کہ اگر بغیر داڑھی کے کوئی ولی ہو سکتا ہے تو یہ شخص ولی تھا میں نے کہا کہ حضرت کون ہے؟ فرمایا لوگ جسے شاعر مشرق

کہتے ہیں یہ شاعر مشرق نہیں بلکہ شاعر اسلام ہے، مراد علامہ اقبالؒ تھے۔

آخری بات: سیکڑوں بار یہ خبر مشہور ہوئی کہ حضرت مظاہر علوم چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، احباب اور دوستوں نے مجھ سے بھی اس کی تحقیقات کیں تو میں نے ہمیشہ سب کو ایک ہی جواب دیا کہ ''خبر غلط ہے اور یہ ناممکن بھی ہے، لوگ کہتے کیوں! تو میں کہتا کہ میں نے اپنے کانوں سے سنا حضرت نے فرمایا کہ میرے حضرت (شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ) نے فرمایا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے مظاہر علوم چھوڑ کر مت جانا''

اور یہ بھی میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ ''موت کی پہلی تمنا تو یہ ہے کہ مدینہ میں آئے لیکن اگر میرے مقدر میں وہاں کی موت نہیں تو پھر دنیا میں سہارنپور کے علاوہ کسی اور جگہ موت کی تمنا نہیں، اللہ نے اس تمنا کو پورا کر دیا، پھر وفات کی خبر پا کر مولوی ریاض الدین جن کا تذکرہ اوپر آیا ہے ان کا میرے پاس فون آیا کہ حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر سہانپور میں میری موت ہو جائے تو مجھے حضرت ناظم صاحب قدس سرہ (حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب) کے بغل میں دفن کرنا، میں نے اس کا تذکرہ حضرت ناظم صاحب (مولانا سید محمد سلمان) سے کیا، حضرت نے فوراً اس کی کوشش پر لوگوں کو لگا دیا اور بحمد اللہ حضرت کی یہ خواہش بھی پوری ہو گئی۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

اسراف اور نمائش

عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو چاہو پہنو میں تم پر کوئی الزام نہیں رکھتا لیکن دو خصلتیں بری ہیں ایک تو اسراف، دوسرے نمائش۔

(مصنف ابن أبی شیبہ، رقم ۲۵۳۷۵) ''ماخوذ از تفسیری خطبات''

جدید سائنس اسلام کی خادمہ

مولانا عمر فاروق لوہاروی

دار العلوم لندن

جدید سائنس اسلام کی ایک ادنیٰ دست بستہ خادمہ ہے، اس سے اسلام کو خواہی نخواہی فائدہ پہنچ رہا ہے اور اسلامیات کو سمجھنے اور سمجھانے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے؛ چناں چہ استبعادِ عقلی کی بیساکھی کے سہارے مادہ پرستوں نے اسلامیات کی متعدد چیزوں کا انکار کیا تھا؛ لیکن جدید سائنس کی نت نئی ایجادات و اکتشافات سے ان میں سے کئی چیزیں محسوس ومشاہدہ کا درجہ حاصل کر رہی ہیں اور ان کا استبعادِ عقلی ختم ہو رہا ہے:

جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ معراج کو سمجھنے کے لیے کس قدر موشگافیاں کرنا پڑتی تھیں؛ مگر عصر حاضر میں جب انسان ایک کُرہ سے دوسرے کُرہ میں بے تکلف سفر کر رہا ہے، تو معراج کو سمجھنا اور سمجھانا لاینحل مسئلہ نہیں رہا۔

اعمال کے وزن کی اطلاع جو حدیث وقرآن میں مسلسل ملتی رہی، "مقیاس الحرارۃ" (تھرمامیٹر) کی موجودگی میں بقائمی ہوش وحواس وزن اعمال کا انکار کون کرسکتا ہے؟

اقوال کی حفاظت کے لیے موجودہ وقت کا ٹیپ ریکارڈر ایک بہترین ثبوت ہے۔" (نقش دوام، ص ۱۱۷ – ۱۱۸)

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کا ملفوظ نقل فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے کہ اہل جنت واہل جہنم آپس میں ایک دوسرے کو دیکھیں گے، پہچانیں گے اور باتیں کریں گے؛ حالاں کہ ان کے درمیان بہت غیر معمولی فاصلہ ہوگا، تو اب ٹیلیفون، لاسلکی

تلغراف، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجادات نے اس کو بھی قریب عقل ومشاہدہ کر دیا ہے۔

اصوات واعمال کا ریکارڈ مستبعد سمجھا جاتا تھا؛ مگر گراموفون کی ایجاد نے اس سے بھی مانوس کر دیا کہ حق تعالیٰ نے زمین اور اس کے متعلقات میں بھی اخذ وریکارڈ کا مادہ ودیعت فرما دیا تھا، جس کو ہم یورپ کی ان ایجادات سے پہلے عقل ومشاہدہ کی رو سے نہ سمجھ سکتے تھے۔ (ملفوظات محدث کشمیری، ص ۹۴—۹۵)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

روزانہ نئی ایجادیں نکلتی ہیں، جن سے بہت سے مستبعد کا مشاہدہ ہونے لگا، یہ اللہ کی رحمت ہے کہ ایسے لوگوں سے تائید دین کا کام لیا ہے، جو کافر ہیں کہ وہ نئی نئی ایجادیں کردیں، جن سے بہت سے شبہات حل ہوگئے۔

چناں چہ لوگوں کو شبہ تھا کہ قرآن مجید میں ہے: **يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا** (الزلزال ۴) اس روز زمین اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی) زمین کیسے بولے گی؛ کیوں کہ وہ جمادات میں سے ہے؟ اللہ نے اس کی نظیر گراموفون (آلۂ صوت نگار) ایجاد کرا دیا کہ یہ نہ انسان ہے نہ حیوان اور نہ نباتات اور پھر بولتا ہے، اب اس کو کس قسم میں داخل کروگے، جو اس کے لیے نطق کو جائز رکھوگے؟

ظاہر ہے کہ جمادات ہی میں سے ہے، تو جمادات کے بولنے کا استبعاد بھی ختم ہوگیا۔ (خطبات حکیم الامت ۷/۱۷۵—۱۷۶)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

جان لو! وہ روشن خیال لوگ جو اللہ کی آیات کا یقین نہیں کرتے اور یورپ کی بیہودہ باتوں کا یقین کرلیتے ہیں، انھوں نے محشر میں اعضاء انسانی کے بولنے کو بعید خیال کیا؛ حالاں کہ ان کے زعماء اور لیڈروں نے (آنکھ کے علاوہ) بقیہ اعضاء میں قوت باصرہ کے نفوذ وسرایت کرنے کا فی زمانناا اعتراف کیا ہے، تو ان سے بعید نہیں کہ وہ بقیہ اعضاءِ انسانی میں قوت گویائی کے سرایت

کرنے کا اعتراف بھی کرلیں؛ اگرچہ ایک عرصہ بعد سہی ۔(فیض الباری ۴/ ۲۱۸)

لیور پول کے رہائشی برطانوی فوجی کریگ لوند برگ کی بہ عمر ۲۱ سال ۲۰۰۷ء میں عراق میں اپنی خدمات کے دوران گرینیڈ لگنے کی وجہ سے آنکھوں کی بینائی چلی گئی تھی، اس کے متعلق آج سے تقریباً آٹھ سال قبل ایک خبر ملکی وغیر ملکی اخبارات وغیرہ ذرائع ابلاغ کی زینت بنی تھی کہ اب وہ اپنی زبان کی مدد سے دیکھنے کی ٹیکنالوجی استعمال کرے گا، روزنامہ ''جنگ'' لندن بابت ۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ بروز اتوار مطابق ۶/ستمبر ۲۰۰۹/ کے شمارے میں یہ خبر کچھ اس طرح شائع ہوئی تھی:

نابینا برطانوی فوجی زبان کی مدد سے دیکھنے کی ٹیکنالوجی استعمال کرے گا

''لندن (پی اے) ایک نابینا برطانوی فوجی ملک میں پہلا شخص ہے، جو زبان کی مدد سے دیکھنے کی ٹیکنالوجی استعمال کرسکے گا، اس ٹیکنالوجی پر مبنی آلہ برین پورٹ ویژن کہلاتا ہے اور اسے ایک امریکی کمپنی نے تیار کیا ہے، یہ برطانوی فوجی جو اپنی خدمات کے دوران دونوں آنکھوں کی بصارت سے محروم ہوگیا تھا، اس آلہ کی مدد سے اپنی روزمرہ کی زندگی آسانی سے گزارسکے گا، علم بصارت پر دفاعی مشیر ونگ کمانڈر روب شکاٹ نے بتایا کہ نابینا فوجیوں اور شہریوں کے لیے یہ بڑی اہم ٹیکنالوجی ہے اور انھوں نے خود یونیورسٹی آف پیٹس برگ میڈیکل کے ایک دورے میں اس کا مشاہدہ کیا، انھوں نے کہا کہ اس میں ایک کیمرہ عینک کے دوشیشوں پر رکھا ہے؛ تاکہ بیرونی ماحول کو سکین کرسکے، یہ الیکروڈز سے منسلک ہے، جنھیں زبان پر رکھا جاتا ہے اور زبان بیرونی ماحول کو محسوس کرتی ہے، اگر کوئی مکمل نابینا آدمی کمرے میں آئے، تو وہ اس آلے کی مدد سے فرنیچر اور دوسری چیزوں کو دیکھ اور محسوس کرسکتا ہے۔''

واضح ہو کہ اب یہ برطانوی فوجی زبان کی مدد سے دیکھنے اور اپنی روزمرہ کی زندگی گزارنے لگا ہے، اس لحاظ سے زبان میں بھی قوت باصرہ ہونے کی یہ ایک زندہ مثال ہے۔

اسی طرح زمانے کے گزرنے کے ساتھ نئے تجربات ہوتے رہیں گے اور بقیہ

اعضاء سے دیکھنے کی مثالیں بھی سامنے آتی رہیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

صحیح بخاری کتاب الجہاد، کتاب فضائل الصحابۃ، کتاب اللباس اور کتاب الأدب میں مختلف طرق سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں کچھ کپڑے آئے، جن میں خز (ایک خاص قسم کا کپڑا) یا اون کی دھاری دار ایک سیاہ چھوٹی چادر بھی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے دریافت فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے، ہم یہ چادر کس کو دیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام خالد کو میرے پاس لاؤ! ان کو (چھوٹی ہونے کی وجہ سے) اٹھا کر لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر لے کر اپنے دست مبارک سے ام خالد کو پہنایا، اوڑھایا اور (علیٰ اختلاف الروایتین) دو یا تین دفعہ فرمایا کہ اسے پرانا اور بوسیدہ کرو (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی کہ تمہاری عمر اس قدر لمبی ہو کہ تم اس کپڑے کو پہن پہن کر پرانا کردو)! اس چادر میں سبز یا زرد رنگ کے پھول تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پھولوں کو دیکھ کر اپنے دست مبارک سے ام خالد کو اشارہ کرکے فرمانے لگے: يَا أُمَّ خَالِدٍ، هٰذَا سَنَاهٗ! اے ام خالد! یہ عمدہ ہے! سَنَا حبشی زبان میں الحسن یعنی عمدہ کے معنی میں آتا ہے۔

اسحاق بن سعید راوی فرماتے ہیں کہ مجھ سے خاندان کی ایک عورت نے بیان کیا کہ اس نے وہ کپڑا ام خالد رضی اللہ عنہا پر دیکھا۔

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ کپڑا باقی رہا، یہاں تک کہ راوی نے (طویل زمانہ کا) ذکر کیا۔

اس حدیث پاک کے طرق مختلفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ام خالد رضی اللہ عنہا نے لمبی عمر پائی؛ یہاں تک کہ ان کی درازیٔ عمر کا لوگوں میں چرچا ہوا، اسی طرح انکا کپڑا (قمیص یا چادر) طویل عرصہ تک ان کے زیر استعمال رہا۔

چند ماہ قبل کی ایک نئی ایجاد نے جسم کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ قمیص کے بڑھنے کو سمجھنا اور سمجھانا نہایت آسان کردیا، روزنامہ ''جنگ'' لندن میں شائع ہونے والی حسب ذیل خبر کو

پڑھیے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجیے:

بچوں کے ساتھ ساتھ بڑھنے والے کپڑے تیار

والدین بچوں کے لیے ہر چند ماہ بعد کپڑوں کے بارے میں فکرمند رہتے ہیں، ایک جانب تو اس سے وقت ضائع ہوتا ہے، تو دوسری جانب مہنگے کپڑے خریدنے میں مشکل پیش آتی ہے، چھوٹے بچوں کے کپڑے دو مرتبہ دھلنے کے بعد انھیں نہیں آتے؛ کیوں کہ چھوٹے بچے بہت تیزی سے بڑھتے ہیں؛ لیکن اب پیٹٹ پلی (Petit Pli) نامی ایک کمپنی نے ایسا اسمارٹ لباس بنایا ہے، جسے ایک مرتبہ خریدنے کے بعد دو سال تک بچوں کے لیے دوسرا لباس خریدنے کی ضرورت نہیں رہے گی، پیٹی پلی کے مطابق پیدائش کے دو سال تک بچے سات مرتبہ جسامت بڑھاتے ہیں اور ان کے لیے سات مرتبہ کپڑے خریدنے پڑتے ہیں، اس کمپنی نے جو لباس بنایا ہے، وہ ۴ سے ۳۶ ماہ تک کے بچوں کے لیے فٹ بیٹھتا ہے، کمپنی کے سربراہ ریان ماریو یاسین پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور انھوں نے کہا کہ بچے کو بار بار نیا سائز پہنا کر ہم زمین کے وسائل خرچ کر رہے ہیں اور دوسری جانب آبادی اس پر بڑی رقم خرچ کرتی ہے، ان کا تیار کردہ لباس واٹر پروف، ہوا پروف، پائیدار اور بار بار دھونے کے قابل ہے، اس لباس کے اندر خاص لچک دار میٹریل شامل کیا گیا ہے اور جب اسے کھینچا جاتا ہے، تو کپڑا پتلا ہونے کی بجائے موٹا ہو جاتا ہے اور یہ خاصیت بلٹ پروف لباسوں میں پائی جاتی ہے، اس ایجاد کو برطانیہ میں جیمز ڈائسن ایوارڈ دیا گیا ہے۔ (روزنامہ "جنگ" لندن، بابت: بدھ ۲۲/ ذوالحجہ ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۲۰۱۷ /)

سائنس کی یہ ایجاد چوں کہ نئی نئی ہے، بہ الفاظ دیگر اس ایجاد میں سائنس خود بچی ہے؛ اس لیے ۴ ماہ سے ۳ سال تک کے بچوں کے لیے مذکورہ لباس تیار کیا ہے، اس شعبہ میں سائنس جب جوان ہوگی، تو جوانی تک اور بوڑھی ہوگی، تو بوڑھاپے تک کارآمد لباس تیار کرے گی، اسی طرح دیگر شعبوں پر ہاتھ ڈالتی رہے گی، تو اسلام کی یہ خادمہ اسلامیات کے دوسرے مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے میں مزید کارگر ثابت ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ- وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ

فتاویٰ

انتخاب وترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

سوال : غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی شریعت مطہرہ میں حدود کیا ہیں؟

جواب : غیر مسلموں کے ساتھ دلی محبت ومؤدت کے علاوہ خیر خواہی اور ہمدردی، انسانی تعلق کے ناطے معاملات درست ہیں بشرطیکہ مسلمان کا اس میں دینی نقصان نہ ہو

سوال : غیر مسلموں سے ہدایا تحائف کے لین دین کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

جواب : غیر مسلموں سے ہدایا اور تحائف لینا اگر قلبی مودت واحترام کا باعث بنے یا اس سے ان کی رسومات کفریہ وشرکیہ کی تائید ہو تو ناجائز ہے اور اگر صرف خاطر مدارات اور اس کے دل کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی غرض سے ہو تو جائز ہے۔

سوال : غیر مسلموں کی مجالس سرور وغم میں شرکت کا شرعا کیا حکم ہے؟

جواب : غیر مسلموں کی مجالس سرور وغم (خوشی وغمی کی تقریبات) اگر مذہبی نہ ہوں تو ان کا حکم بھی وہی ہے جو ہمدردی وغیرہ کا حکم ہے اگر مذہبی ہوں تو ان میں شرکت کرنا ان کی عملی تائید ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

سوال : غیر مسلموں کے ساتھ کھانا پینا ضرورت یا بلا ضرورت کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: کھانے پینے میں عادت نہ بنائی جائے، اگر اتفاقا موقع آئے تو مباح ہے۔

سوال : کرسمس کے موقعہ پر نصاری کی طرف سے کرسمس کارڈ، ہدیہ لینا اور مسلمانوں کا کارڈ دینا اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟

جواب : اس موقع پر کارڈ لینا، دینا اور تحائف کا تبادلہ چونکہ غیر مسلموں کے مذہبی رسومات کا جز ہے اس لیے اس نام سے ہدیہ لینا دینا اور تحائف کا تبادلہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR



MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR 247001(U.P.)INDIA

PH:0132-2655542

E-Mail: jamiamazahir@gmail.com